ڈالے رکھا) اب بھی علامہ اقبالؒ کی روح تڑپ تڑپ کر فرزندانِ اقبال کو صدا لگا رہی ہے کہ اس نظریہ کو اس اصول کو معاشرے پر عملاً نافذ کیا جائے، ان کا قول تھا ۔۔۔ ع

قوموں کی تباہی ہے مرکز سے جدائی

اور وہ نبوت کو ہی مسلمان قوم کا مرکز قرار دیتے تھے۔

ہمیں یہاں منطقی دلائل سے نہیں بلکہ عقیدے کے طور پر یہ بات جان لینی چاہیئے کہ کسی قوم کو دنیا کی دوسری قوموں کی صف میں اپنی حیثیت منوانے کیلئے (لازمی طور پر) اس نظریہ کو اپنے اوپر لاگو کرنا ہوتا ہے۔ کہ جس کی وجہ سے وہ ظہور میں آئی ہو۔ قوم پر ہر ایک چیز قربان کی جا سکتی ہے۔ مگر نظریہ و اصول کی بقا کی خاطر قوم اپنی جان کی بازی لگا کر بھی اس کو زمانہ میں سر بلند رکھتی ہے۔ کیونکہ اس نظریہ و اصول کی وجہ سے چند منتشر افراد مل کر قوم کی تشکیل دے دیتے ہیں۔ اب اگر کوئی قوم اس نظریہ سے غداری کرتی ہے۔ (خواہ وہ کھلے بندوں ہو یا چوری چھپے) تو (بہر حال) ایک نہ ایک دن اس کا وجود نا مسعود صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹ جاتا ہے۔ کیونکہ قانونِ فطرت یہی ہے۔

ہماری قابلِ احترام گورنمنٹ اب اس طرف متوجہ معلوم ہوتی نظر آرہی ہے کہ جتنا جلدی اور جسطرح ہو سکے نظریۂ پاکستان کو اپنے ملک میں عملاً نافذ کر دیا جائے۔ اور نصابِ تعلیم کو نظریۂ پاکستان کے مطابق بنایا جائے۔ (جیسا کہ پاکستان کی تمام یونیورسیٹوں کے وائس چانسلرز صاحبان کے اجلاس منعقدہ زیرِ صدارت سیکرٹری تعلیم جناب زیڈ۔ اے۔ ہاشمی قرار پایا ہے کہ نصاب کو جلد از جلد نظریۂ پاکستان کے تقاضوں کے مطابق بنایا جائے گا۔) رپورٹ پی۔ پی۔ آئی مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۷۱ء۔

گورنمنٹ کے اس بروقت فیصلہ کو قوم تحسین کی نگاہوں سے دیکھتی ہے اور امید رکھتی ہے کہ اب کی بار گورنمنٹ مخلصانہ طریق سے دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ کر وہی نسخۂ کیمیا استعمال کرے گی جس کو کہ علامہ اقبالؒ نے آج سے چند برس پہلے قوم کے لئے تجویز فرمایا تھا۔ گورنمنٹ کو چاہیئے کہ ان فرقوں اور تحریکوں کو جو حضرت محمدؐ کی ختم المرسلینی پر امت کے اجماع کے مطابق یقین نہیں رکھتیں اور جو قولاً یا فعلاً نظریۂ پاکستان کے مخالف ہیں، ان پر نہ صرف پابندی لگانا ضروری ہے۔ بلکہ ان کو ملت سے کاٹ دیا جائے، کیونکہ یہی وہ ناسور ہیں جن کی وجہ سے پوری قوم ابتلاء میں پڑی درد و کرب سے کراہ رہی ہے۔ جن لوگوں کا یہ قول ہے کہ انتخابات جداگانہ ہوں۔ وہ بھی نظریۂ پاکستان کے مخالف ہیں ۔۔۔۔ کیا نظریۂ پاکستان یہی تھا کہ پاکستان کے تمام باشندے پاکستان کے شہری بھی ہوں گے قطع نظر اس کے کہ وہ مسلم ہیں یا غیر مسلم۔ نہیں نہیں بلکہ نظریۂ پاکستان یہ تھا

کہ مسلمان ایک الگ قوم ہے۔ نہ یہ کسی دوسری قوم میں مدغم ہو سکتی ہے۔ اور نہ ہی کوئی دوسری قوم اس میں مدغم ہو کر حقوق شہریت حاصل کر سکتی ہے۔ اب جب کہ پاکستان وجود میں آچکا ہے۔ تو اس کے شہری (نظریۂ پاکستان کے مطابق) صرف اور صرف وہی لوگ ہونے چاہئیں جو حضرت محمدؐ کی نبوت کا (اجماع امت کے مطابق) اقرار کرتے ہیں۔ قرآن اس بات کی یوں تصدیق کرتا ہے۔ یاایھا الذین امنوا لا تتخذوا بطانۃ من دونکم۔ (آل عمران ۱۱۸) ترجمہ: اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے سوا دوسروں کو شریک راز نہ بناؤ۔

قوم اس تاریخی اعلان کیلئے دن گن رہی ہے کہ کب ان کے ذوق طبعی کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ گوکہ یہ فیصلہ ایک نہایت مشکل کام نظر آتا ہے۔ مگر جتنا مشکل ہے۔ اس سے کئی گنا اشد ضروری ہے۔ کیونکہ اب (جس حال میں کہ ہم ہیں) یہی قدم ہماری ڈگمگاتی کشتی کو گرداب سے باہر نکال سکتا ہے۔ بلکہ مستقبل میں آنے والی نسلوں کے لئے بھی مشعلِ راہ بن کر ان کو اوج ثریا تک پہنچانے میں مدد دے گا۔۔۔۔ قرآن ایسے لوگوں کو بشارت دیتا ہے۔ انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین۔ اور بقول اقبال مرحومؒ ۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں   یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اس اقدام کے بعد دنیا میں ہونے والے تمام فیصلے ہماری مرضی کے بغیر نامکمل اور ادھورے رہ جائیں گے۔ اور قدرت کی طرف سے وہ نعمتیں ہم پر اتریں گی جن کا ہم گمان بھی نہیں کر سکتے۔

اور ہاں! اگر اس عقیدے اور نظریہ سے ہٹ کر یا بے جا حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے اس میں کسی قسم کی ترمیم پیش کی گئی یا ان لوگوں کو جو اس عقیدے اور نظریہ پر ایمان نہیں رکھتے کسی قسم کی رعایت دی گئی تو پھر اس کا انجام نہایت دردناک ہوگا۔ اب تک ہم نے اس نظریہ کو پس پشت ڈال کر جو ملی، اقتصادی اور سیاسی نقصانات اٹھائے ہیں اگر ان کی فہرست بنائی جائے تو کاغذ اپنی وسعتوں کے باوجود اپنا دامن سمیٹ لے گا۔ اور معاشرہ جس ڈگر پر چل نکلا ہے اس کا اندازہ تو اہل عقل و شعور ہی لگا سکتے ہیں۔ کیا مشرقی پاکستان کے خونچکاں واقعات نے ہمارے دماغ کی کھڑکیاں نہیں کھولیں۔ کیا اب بھی ہم ان سے سبق حاصل نہیں کر سکتے۔ منطق و فلسفہ کے ماہر ہی نہیں طالب علم تک سبھی جانتے ہیں کہ واقعات خود بخود رونما نہیں ہوتے، ان کا سبب ضرور ہوتا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ان تمام واقعات سے نصیحت حاصل کریں تاکہ دنیا و آخرت میں کامیاب و سرخرو ہو سکیں۔۔۔۔۔

ایڈیٹر کے قلم سے

قسط ۳

محمود غزنویؒ کے دیس میں

بلخ کے کھنڈرات یا علم و حکمت کے دفینے

یہ ابراہیم ادہم کا قصہ تھا بار ہا جس کے سننے کا اتفاق ہوا مگر رات کی مجلس میں سنانے والا مثنوی مولانا روم کا ایک دلدادہ تھا۔ پڑھنے کا عجب انداز، ڈوب کر سنا رہا تھا۔ عجیب سوز و گداز، اور لکھنے والے مولائے روم ــــ مثنوی نے جنہیں زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ اور جن کا پاکیزہ خمیر بلخ ہی کی سرزمین سے اٹھایا گیا، آبا و اجداد اسی بلخ کے رہنے والے تھے۔ صدیوں تک عقلیت و الحاد کی بنیادوں پر کاری ضرب لگانے والا جلال الدین ۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ کو اسی شہر کے ایک خدا رسیدہ ذی اثر بزرگ محمد بہاؤ الدین کے گھر میں پیدا ہوا۔ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی شان و شکوہ کی بے وقعتی اور راہِ عشق میں ترکِ مال و وطن ورثے میں پایا تھا۔ ان کے والد بزرگوار کے اثر و رسوخ سے جب سلطانِ وقت خوارزم شاہ گھبرا گیا تو خزانوں کی کنجیاں بھی ان کے قدموں میں ڈال دیں کہ دلوں کی حکمرانی تو تجھے حاصل ہے۔ میرے پاس ان کنجیوں کے سوا رہ کیا گیا ہے۔؟ آپ نے جواب میں کہا ہم سرمستانِ بادۂ الست کو ان چیزوں سے کیا سروکار۔ سلطنت بھی تجھے مبارک ہو اور خزانے بھی۔ آپ کو ناگوار ہے تو فقیر چلا جاتا ہے۔ مگر جاتے جاتے خطرہ کا الارم دے گئے کہ میرے بعد لشکرِ تاتار آ رہا ہے۔

الغرض اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر تاج و تخت کو حقیر سمجھنا اور حقیقی عشق تو مولانا روم کو ورثے ہی میں ملا تھا۔ پھر ابراہیم ادہم کے ذکر میں وہ کب صاحبِ قال رہتے۔ صاحبِ حال تھے۔ نہ صرف اسی واقعہ کے بیان میں بلکہ ان کی مثنوی تو اوّل تا آخر مردہ قلوب کے لئے پیغامِ حیات ہے۔ اور کیوں نہ ہو جب اس کا سرچشمہ وہ عشق آفرین طبیعت ہے جو اپنی پرجوش اور پرسوز حالت سے اس طرح پردہ